فکر و نظر۔۔۔۔ اسلام آباد   جلد: ۳۷   شمارہ: ۱

پاکستان میں علم تجوید و قرأت ۔ ماضی، حال اور مستقبل
(ایک غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ کا تجزیاتی مطالعہ)

ظفر الاسلام اصلاحی ☆

علم قرآن کو یقینی طور پر جملہ علوم پر فوقیت حاصل ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے "افضلکم من تعلم القرآن وعلمه" (سنن ابن ماجه، باب فضل من تعلم القرآن و علمه) " تم میں افضل وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"۔ در حقیقت علم قرآن اپنے وسیع مفہوم میں ان تمام علوم کو شامل ہے جو قرآن پڑھنے و سمجھنے، اس کے معنی و مفہوم کو واضح کرنے اور اس کے علوم و معارف کی اشاعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا و ضروری مرحلہ تلاوت ہے جس کی حسن و خوبی انجام دہی کچھ اصول و آداب کی پابندی پر منحصر ہے۔ تلاوت قرآن میں انہی اصول و آداب کو عملی طور پر برتنے کو تجوید یا قرأت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسے تلاوت کا زیور اور قرآن کی زینت بھی کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ذریعہ صحت مخارج کے ساتھ اس طرح قرآن پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جس سے نہ صرف اس کے الفاظ صحیح طور پر ادا ہو جاتے ہیں بلکہ اس کا صوتی حسن بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ تجوید و قرأت نے بتدریج ترقی کر کے باقاعدہ فن اور علم قرآن کی ایک مستقل شاخ کی حیثیت اختیار کی۔ اس علم کے فضل و شرف کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس کی نسبت براہ راست قرآن کریم سے ہے اور اس کی نشوونما نزول قرآن کے عہد مسعود میں ہوئی۔ بعد کے ادوار میں اس نے ارتقاء کے مختلف مراحل طے کیے۔ اسلام کی اشاعت کے ساتھ اسلامی ریاست کے حدود کو بھی

☆ ریڈر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

وسعت نصیب ہوئی اور جن جن ملکوں اور علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں وہاں اس علم کو رواج ملا۔ اہل علم نے اس کی اشاعت کے مختلف ذرائع (تدریس و تمرین اور تصنیف و تالیف) اختیار کیے ۔ اسی کے ساتھ اہل حکومت کی دلچسپی و سرپرستی سے اس کے فروغ کی راہیں مزید ہموار ہوئیں۔ برصغیر ہندو پاک میں مسلم عہد حکومت بھی قرآنی علوم (بشمول علم قرأت) کی اشاعت کے لیے معروف رہا ہے اس عہد کے ابتداء ہی سے اس بنیادی علم کے فروغ میں دلچسپی ظاہر ہوئی اور علماء، مشائخ و ماہرین قرأت نے مختلف طور پر اس کی اشاعت میں حصہ لیا۔ مدارس کے علاوہ انفرادی مجالس میں بھی اس کی مشق و تمرین کا سلسلہ جاری رہا اور اہل قلم نے اسے تصنیف و تالیف کا بھی موضوع بنایا۔ مزید براں بعض سلاطین و امراء نے بھی اس علم کی ترویج میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا جیسا کہ راقم کے مضمون " عہد وسطی کے ہندوستان میں علم قرأت " (ششماہی علوم القرآن ، ۵/۱ جنوری ، جون ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۰۸۔۱۲۶) میں اس کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔ درحقیقت ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام اور ایک طویل عرصہ تک اس کے بقاء کی ایک بہت بڑی دین یہ بھی ہے کہ اس عہد میں مختلف سطح پر دینی علوم کی اشاعت کے لیے جو خدمات انجام دی گئیں ان کے فیوض و برکات بعد کے زمانہ میں بھی جاری رہے اور آج برصغیر ہندو پاک اس باب میں (بلکہ دوسرے میدانوں میں بھی) عہد وسطی کے ہندوستان کا مرہون منت ہے۔
اس عہد کی دینی و علمی خدمات میں اہل علم کی دلچسپی پہلے ہی سے قائم تھی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ ادھر اس میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ اب جدید جامعات میں ان پر ریسرچ و تحقیق کا سلسلہ بھی بڑھ گیا ہے بالخصوص اس عہد کی قرآنی خدمات یا اس دور میں قرآنی علوم کے ارتقاء سے متعلق کسی موضوع کو پی ایچ ڈی کے لیے منتخب کرنا بہت ہی خوش آئند ہے اس لیے کہ پہلے اس طرح کے موضوعات پر بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔
اب ماشاء اللہ ہندو پاک کی مختلف یونیورسٹیوں میں (بالخصوص شعبہ اسلامیات و عربی میں) قرآنیات یا قرآنی علوم پر ریسرچ و تحقیق کی داد دینے والوں کی کمی نہیں محسوس ہوتی۔
زیر مطالعہ تحقیقی مقالہ (پاکستان میں علم تجوید و قرأت ۔ ماضی، حال اور مستقبل) اسی سلسلہ

کی ایک اہم کڑی ہے جس پر پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ۱۹۹۸ء میں پی ایچ ڈی کی سند تفویض ہو چکی ہے۔ مقالہ نگار پاکستان کے معروف عالم، ممتاز مصنف و ماہر قرأت پروفیسر قاری محمد طاہر (مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد) ہیں جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ سے پروفیسر جمیلہ شوکت صاحبہ کی زیرنگرانی یہ تحقیقی کام مکمل کیا۔ مقالہ نگار کا ایک بہت بڑا وصف یہ ہے کہ وہ بذات خود اس فن میں امتیازی شان رکھنے کے ساتھ زبان و قلم کے ذریعہ اس کی ترویج و اشاعت میں مسلسل مصروف رہتے ہیں۔ انہی کی ادارت میں "التجوید" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی شائع ہوتا ہے جس کے ہر شمارہ کا بیشتر حصہ علم قرأت کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔

پیش نظر تحقیقی مقالہ ۸۰۴ صفحات اور دو جلدوں پر مشتمل ہے اس کے مشتملات ۶ ابواب میں منقسم ہیں جن کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

باب اوّل	تجوید و قرأت کا تعارف
باب دوم	تجوید و قرأت کی ضرورت
باب سوم	علم القرأت، آغاز و ارتقاء .
باب چہارم	تجوید و قرأت پاکستان میں
باب پنجم	مشہور مدارس قرأت
باب ششم	تحریص و ترغیبات

گرچہ یہ مقالہ خاص طور سے پاکستان میں علم قرأت کے آغاز و ارتقاء کے سیاق میں لکھا گیا ہے لیکن ابتدائی ابواب کے مباحث نے اسے علم قرأت کی نشوونما اور مختلف ادوار میں اس کے ارتقاء کی تاریخ کا مستند مرقع بنا دیا ہے۔ نزول قرآن کے عہد مبارک سے لے کر ائمہ قرأت عشرہ اور ان کے رواۃ کے زمانہ (تیسری صدی ہجری کا اختتام) تک کی تاریخ علم قرأت ان ابواب میں زیر بحث آگئی ہے۔

اوّلین باب (تجوید و قرأت کا تعارف) میں مقالہ نگار نے لفظ " تجوید" کی لغوی و اصطلاحی تشریح پیش کی ہے اور تجوید و ترتیل کا فرق بھی واضح کیا ہے۔ "تجوید" کی تشریح میں اہل لغت اور " ترتیل" کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال بکثرت نقل کیے گئے ہیں

بلکہ موخرالذکر لفظ پر بحث کا بیشتر حصہ قرآن کریم کی مشہور آیت " ورتل القرآن ترتیلا" (المزمل۔۴) کی تفسیر پر مبنی ہے اور اس ضمن میں متعدد قدیم و جدید مفسرین کی آراء سے تعرض کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں برصغیر کے کئی ایک مفسرین کا حوالہ ملتا ہے لیکن عہد وسطی کے کسی مفسر کا قول مذکور نہیں ہے۔ دوسرے مفسرین کے اقوال نقل کرنے میں ترتیب زمانی (یا اور کوئی ترتیب) مفقود نظر آتی ہے۔

مقالہ نگار نے ان مفسرین سے اتفاق کیا ہے جو "ترتیل" کو تجوید کے ہم معنی یا قریب المعنی تصور کرتے ہیں اور ترتیب میں مخارج کی درستگی وقوف کا لحاظ ، حرکات اور تشدید و مدات کی رعایت، خوش آوازی، تھوڑی سی بلند آوازی اور مضامین خوف و رجاء پر طلب پناہ و دعا کو شامل سمجھتے ہیں۔ مقالہ نگار نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ لفظ تجوید اصطلاحی معنی میں قرآن میں استعمال نہیں ہوا ہے لیکن ترتیب سے بخوبی اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ مقالہ نگار اس باب میں کسی قطعی نتیجہ تک پہنچنے میں قاصر رہے ہیں کہ تلاوت قرآن کی نسبت سے لفظ تجوید کب سے اصطلاحی معنی میں مستعمل ہونا شروع ہوا اور یہ کہ کس نے سب سے پہلے اسے اس معنی میں استعمال کیا(۱/۱۳،۴۸،۴۹)۔ اس باب میں تجوید و ترتیل کے ساتھ لفظ "قرأت" کے لغوی و اصطلاحی پہلو پر بھی بحث بہت مفید ہوتی۔ یہ بحث اس باب میں اس لحاظ سے اور زیادہ بامعنی کہی جا سکتی ہے کہ آج کل لفظ قرأت اپنے اصطلاحی مفہوم میں اردو میں زیادہ معروف و مستعمل ہے۔

دوسرے باب (تجوید و قرأت کی ضرورت) میں تجوید و قرأت کی اہمیت حدیث نبوی ﷺ اور اقوال فقہاء کے حوالہ سے واضح کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ۴۴ احادیث کا متن مع اردو ترجمہ منقول ہے۔ یہ احادیث خاص طور سے تلاوت قرآن میں ترتیل، حسن صوت کی فضیلت و اہمیت، نبی کریم ﷺ کے انداز قرأت اور بعض آیات کی تلاوت میں قرأت کے اختلاف سے تعلق رکھتی ہیں ان تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد ان کا تجزیہ و اخذ نتائج اس مبحث کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن قرأت کی اہمیت کے باب میں سب سے پہلے موخر الذکر نوع کی احادیث کا بیان محل نظر ہے۔ مقالہ نگار نے

"سبعۃ احرف" کے مطابق تلاوت قرآن والی روایات سے اختلاف قرأت کا جواز ثابت کیا ہے اور یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ تمام قرائتیں رسول اکرم ﷺ سے منقول ہیں اور ان تمام منقول قرأت کے مطابق تلاوت کرنا صحیح ہے (۲/۱۲، ۹۶۔۹۷) ۔ اسی ضمن میں انہوں نے اس نکتہ پر خاص زور دیا ہے کہ تلاوت قرآن میں تحسین صوت یعنی اچھی آواز پیدا کرنے کی کوشش کرنا مستحسن عمل ہے جس کا ثبوت رسول اکرم ﷺ کے قول و عمل دونوں سے ملتا ہے آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب دیتے تھے کہ وہ تلاوت میں حسن صوت کا مظاہرہ کریں اور ترتیل کے اصول کا خیال رکھیں۔ مزید برآں آپ ماہرین قرأت صحابہ سے قرآن پڑھوا کر سننے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

اس باب کے مباحث کا ایک بہت ہی قیمتی حصہ ان غلطیوں کی نشاندہی ہے جو اصول تجوید کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتی ہیں۔ مقالہ نگار نے قریب المخرج حروف کو چھ گروپ (ا،ع،ء+ت+ط+ث،س،ص+ح،ہ+ذ،ز،ض،ظ+ق،ک) میں تقسیم کر کے ہر گروپ کے حروف کے صحیح مخرج اور ان کی ادائیگی کے طریقے کو الگ الگ واضح کیا ہے اور پھر قرآن کریم سے مثالیں دے کر یہ بیان کیا ہے کہ ہر گروپ کے حروف کے مخارج کو ایک دوسرے سے گڈ مڈ کرنے یا تبدیل کرنے سے کیسے کیسے معنوی و سمعی تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ جو بعض صورتوں میں آیات کے معنی و مفہوم کو بالکل بدل دیتے ہیں اور بعض اوقات ان کے صوتی حسن کو متاثر کرتے ہیں(۲/۱۰۱۔۱۲۴) مزید برآں اعراب و وقف کی تبدیلی سے جو معنوی و سمعی تغیرات رونما ہوتے ہیں وہ بھی اس باب میں زیر بحث آئے ہیں۔ اس بحث کے آخر میں مقالہ نگار نے فقہی نقطہ نظر سے بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے کہ مخرج، اعراب اور وقف میں تبدیلی کے ساتھ تلاوت کرنا جائز ہے یا ناجائز اور اس نوع کی اغلاط کے ساتھ نماز کی ادائیگی درست ہوگی کہ نہیں؟ اس سلسلہ میں مقالہ نگار نے مختلف فقہاء و علماء کی آراء سے بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور ان کی روشنی میں یہ نتائج پیش کیے ہیں کہ تلاوت قرآن میں مخارج کی درست ادائیگی متفقہ طور پر واجب ہے۔ جو شخص پوری محنت و مشقت کے باوجود حروف کی صحیح ادائیگی پر قادر نہ ہو وہ معذور ہے۔

البتہ اس کے لیے مسلسل کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ لیکن صحت مخارج پر قدرت کے باوجود لاپرواہی برتنا یا انہیں صحیح طور پر ادا نہ کرنا سخت گناہ ہے ایسے شخص کی نماز درست نہ ہوگی اور نہ اس کی امامت صحیح ہوگی۔(۲/۱۳۲۔۱۳۳)

زیر مطالعہ تحقیقی مقالہ کا تیسرا باب (علم القرأت۔ آغاز و ارتقاء) اس لحاظ سے کافی اہم ہے کہ اس سے علم قرأت کی نشوونما اور ابتدائی صدیوں میں اس کے ارتقاء کی پوری تاریخ سامنے آ جاتی ہے۔ یہ باب چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں عہد رسالت اور اولین دو خلفاء راشدین کے زمانہ میں علم قرأت کا فروغ، قرأت کا معروف طریقہ، اس باب میں نبی اکرم ﷺ کا منہج تعلیم و تربیت ، اس علم میں صحابہؓ کی رغبت، اس کی اشاعت میں ان کی دلچسپی اور اس دور کے ماہرین قرأت کا تذکرہ ملتا ہے۔

زیر بحث باب کے دوسرے حصہ میں عہد عثمانی کے حوالہ سے تدوین قرآن اور اس کی غرض و غایت پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ کتابت قرآن کی نسبت سے علم الرسم و علم الضبط کے مسائل پر بھی بڑی مفید بحث ملتی ہے اس بحث میں اسے بھی قرآن کریم کا ایک اعجاز بتایا گیا ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کے رسم (یا لکھنے کے مخصوص طریقے) میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ قرآن مجید کے ہر نسخہ یا مصحف کی کتابت رسم مصحف عثمانی کے مطابق بدستور جاری ہے۔ اسی ضمن میں مقالہ نگار نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ علم الضبط (حروف قرآنی پر زیر، زبر، پیش ، جزم، تشدید وغیرہ کا استعمال) بہت بعد میں وجود میں آیا اور اس کا خاص مقصد ایسے لوگوں کے لیے تلاوت میں آسانی پیدا کرنا تھا جو عربی زبان اور اس کے قواعد سے نابلد ہوں۔ اسی لیے مختلف مقامات کے علم الضبط میں اختلاف رہا جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ عرب میں طبع ہونے والے نسخوں کی علامات ضبط برصغیر ہندو پاک کے نسخوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ اسی اعتبار سے افریقہ، یورپ اور ایشیا کے مطبوعہ نسخوں میں فرق پایا جاتا ہے (۳/۲۲۸۔۲۲۹) اسی ذیل میں علم الضبط پر کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے صاحب مقالہ نے یہ تحریر کیا ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود انہیں اس موضوع پر اردو میں کوئی کتاب نہ مل سکی۔ یہاں یہ وضاحت مناسب

معلوم ہوتی ہے کہ کتابت مصاحف اور علم الضبط کے عنوان سے حافظ احمد یار مرحوم کا بہت ہی مبسوط و محققانہ مقالہ سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد(۲۳/۲۔اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۷ء صفحہ ۷۱۔۱۴۸) میں شائع ہوا ہے۔ ۷۸ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ کسی بھی نوعیت سے اس موضوع پر کسی کتاب سے کم نہیں ہے۔ اس باب کے آخری حصہ میں عرب کے مختلف قبائل کے لہجات و لحن ، اختلاف قرأت اور سبعۃ احرف کا مفہوم و مدلول جیسے اہم مسائل پر بھی مفصل بحث کی گئی ہے سبعۃ احرف پر قرآن کریم کا نزول اور ان کے مطابق تلاوت کی اجازت کا ذکر مختلف احادیث میں ملتا ہے لیکن خود اس لفظ کے معنی و مفہوم کی تعیین میں علماء میں کافی اختلاف رہاہے اور یہ ان کے درمیان بحث کا ایک اہم موضوع بھی رہا ہے امام سیوطی کے بیان کے مطابق اس سے متعلق علماء کے چالیس اقوال ملتے ہیں اس ضمن میں معروف اقوال کے ناقدانہ جائزہ کے بعد مقالہ نگار نے اس قول کو زیادہ قوی قرار دیا ہے جس کے مطابق ابتداء اسلام میں عرب کے مختلف قبائل کی آسانی کے لیے یہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبانوں کے مطابق مترادف الفاظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کر لیا کریں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے عرصہ اخیرہ میں(جبکہ اہل عرب قرآن کی زبان کے پوری طرح عادی ہو چکے تھے) جب جبرئیل امین علیہ السلام سے قرآن کا دورہ کیا تو اس اجازت کو منسوخ فرما دیا اور تلاوت کے لیے صرف وہی طریقہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا یعنی لغت قریش کو باقی رہنے دیا۔ گویا سات حروف والی اجازت اس پہلے زمانہ ہی سے متعلق تھی(۳/۲۸۳۔۲۸۴،۲۸۵۔۲۸۶) تدوین علم قرأت اس باب کا سب سے آخری حصہ ہے جس میں قراء ات سبعہ و عشرہ ، ان کے ائمہ و رواۃ کی حیات و خدمات اور فن قرأت و تجوید پر مؤلفہ اہم کتب کا تذکرہ ملتا ہے باب سوم کے یہ تمام مباحث بڑے قیمتی و اہم ہیں جو علم قرأت کے آغاز و ارتقاء پر مستند دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مقالہ کے اصل موضوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر ان میں اختصار سے کام لیا گیا ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

پیش نظر مقالہ کا چوتھا باب " تجوید و قرأت پاکستان میں" ہے۔ اصلاً یہیں سے مقالہ کا اصل مبحث شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں برصغیر پاک و ہند میں علم قرأت کے اشاعت کی مختلف جہات کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں مدارس و انفرادی مراکز کی خدمات، ماہرین قرأت کی تدریسی و تمرینی سرگرمیاں اور اس موضوع پر اہل علم کی نگارشات زیر بحث آئی ہیں۔ اس باب میں سب سے پہلے مقالہ نگار نے برصغیر کے ان مدارس و مراکز کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے جو تقسیم سے قبل علم قرأت کی اشاعت کے لیے معروف تھے اور جن کے توسط سے مختلف علاقوں میں اس علم کی ترویج ہوئی ان مدارس و اداروں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی شامل ہے۔ مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق بانی ادارہ سرسیّد احمد خاں خود قاری تھے اور انہوں نے شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین سے قرأت کی سند حاصل کی تھی۔ ان کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں قرأت کی تعلیم کے لیے مستقل شعبہ ۱۹۳۱ء میں قائم ہوا اور اس میں اوّلین تقرری قاری ضیاء الدین احمد کی عمل میں آئی(۴/۳۶۴)۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ شمارہ ۶ جنوری ۱۹۱۵ء ، ۳ فروری ۱۹۱۵ء کے حوالہ سے ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی مولانا محمد سعود عالم قاسمی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی بننے سے قبل ہی ایم اے او کالج میں قرأت کی تعلیم کا باقاعدہ نظم نواب محمد اسحاق خاں کی سیکرٹری شپ کے زمانہ (۱۹۱۴-۱۹۱۸) قائم ہو چکا تھا اور اس کے لیے سب سے پہلے قاری احمد میاں مقرر ہوئے تھے۔ اس باب میں غیر منقسم ہندوستان میں علم قرأت کی اشاعت کے ضمن میں عہد وسطی کے ہندوستان کی خدمات کا مختصر جائزہ بہت موزوں و برمحل ہوتا بلکہ اس مبحث کی ضرورت و افادیت ایک علیحدہ باب کی طالب ہے واقعہ یہ کہ دور جدید کے برصغیر میں علم کی کسی شاخ (بالخصوص دینی علوم سے متعلق) کی ترقی کا مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اس خطہ میں مسلم عہد حکومت سے مربوط نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ آج اس علاقہ میں مختلف علوم و فنون کی ترقی کے جو مظاہر نظر آرہے ہیں ان سب کے سوتے اگر بغور دیکھا جائے تو اس دور سے مل جائیں گے۔ علم تجوید و قرأت کے میدان میں بھی

اس دور کی خدمات کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ معاصر وغیر معاصر مآخذ میں اس سے متعلق وافر مواد موجود ہے اس کا کچھ اندازہ راقم کے محولہ بالا مضمون (عہد وسطی کے ہندوستان میں علم قرأت) سے لگایا جا سکتا ہے۔

علم قرأت کی نسبت سے دیوبند، سہارن پور، پانی پت لکھنو، علی گڑھ اور حیدر آباد کے مدارس و علمی مراکز کے تذکرہ میں ان ماہرین قرأت کی تدریسی و تالیفی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ان سے منسلک تھے۔ ہر مدرسہ یا ادارہ کا مختصر تعارف بھی اس بحث کا ایک مفید حصہ ہے۔ حیدر آباد کے ضمن میں ۱۹۷۴ء میں قائم ہونے والی آندھرا پردیش سوسائٹی کی سرگرمیوں کا ذکر بر محل نہیں معلوم ہوتا(۴/۲/۷۳) اس لیے کہ یہ پوری بحث ماقبل تقسیم کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ برصغیر میں رواج پانے والے قرأت کے دو مخصوص مکاتب (مصری و پانی پتی) کا تعارف، ان کے امتیازی پہلو کی وضاحت اور ان سے نسبت رکھنے والے قراء کی خدمات کا تفصیلی مطالعہ اس باب کا ایک نہایت اہم حصہ ہے۔ مکتب مصری اہل عرب بالخصوص مصری قراء کے لب و لہجہ کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ پانی پتی خالص عجمی طرز قرأت ہے جو پانی پتی قراء سے منسوب ہے دونوں مکاتب اصلاً تقسیم ہند سے قبل ظہور میں آئے اور دونوں کے سر خیل بالترتی عبدالرحمٰن مکی و عبدالرحمٰن پانی پتی ہیں۔ انہی مکاتب قرأت کے حوالہ سے اس باب میں دس ایسے ممتاز قراء کی حیات و خدمات سے متعلق مفید معلومات بھی جمع کی گئی ہیں جو پاکستان سے تعلق رکھتے تھے یا تقسیم سے قبل وفات پا چکے تھے لیکن علم قرأت پر انکی تصانیف پاکستان میں معروف و متداول ہیں۔ اس تذکرہ میں موجود پاکستان کے کسی قاری کے احوال و آثار نہیں ملتے جب کہ مقالہ کے عنوان میں " ماضی، حال اور مستقبل" سب شامل ہے اس کے پیش نظر دور جدید کے کم از کم ممتاز پاکستانی قراء کا ذکر ضروری تھا۔

پاکستان میں علم تجوید و قرأت پر تصنیفی و تالیفی کاموں کا جائزہ بھی اسی باب کا ایک حصہ ہے۔ اس کے تحت عربی کتب کے تراجم و حواشی، قرأت و تجوید پر مستقل تصانیف اور قراء کی سوانح کا احاطہ کیا گیا ہے۔ علم تجوید و قرأت پر مختلف نوع کی تقریباً ۹۰

کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کے خاص خاص مباحث کی وضاحت کے ساتھ مقالہ نگار نے اہم کتابوں کے مشتملات کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ لیکن ان کتابوں کی تعارف میں ایک بہت بڑی کمی یہ پائی جاتی ہے کہ بیشتر کے ضمن میں ان کا مقام و سن اشاعت درج نہیں ہے۔ مزید براں مصنف کا یہ بیان بھی تحقیق طلب ہے کہ " ۱۹۵۴ء تک اردو زبان میں علم قرأت پر صرف چار معتبر کتب لکھی گئیں" (۴/۴۵۰) یہاں یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ " اردو میں قرآنی مطبوعات۔ کتابیات" (مرتبہ ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی) کی پانچویں قسط (شائع شدہ علوم القرآن ۱۰/۱۔۲ جنوری۔دسمبر ۱۹۹۵ء) علم قرأت و تجوید سے متعلق ہے اس میں ۱۹۵۴ء سے قبل شائع ہونے والی ۴۰ کتب مندرج ہیں اور اس میں بہت سی کتب " بدون تاریخ " بھی ذکر کی گئی ہیں اور ان میں بھی ۱۹۵۴ء سے قبل شائع ہونے والی کتابوں کی شمولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال ان کتابوں کے دیکھنے کے بعد ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں کتنی معیاری ہیں اور کتنی غیر معیاری۔ اس باب کے آخر میں پاکستان کی مختلف لائبریریوں میں اس موضوع پر دستیاب مخطوطات و قلمی نسخوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ قراء کی آواز محفوظ کرنے اور ابلاغ عامہ کے نئے ذرائع سے علم قرأت کے فروغ پر بھی مختصر بحث ملتی ہے۔ آخر میں اس خیال کا اظہار بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اس باب میں علم قرأت پر تصنیفی و تالیفی کاموں کا جائزہ تقریباً ۱۳۵ صفحات میں پھیلا ہوا ہے بہتر ہوتا کہ اس کے لیے ایک مستقل باب مختص کیا جاتا۔

پانچواں باب (مشہور مدارس قرأت) علم قرأت کی اشاعت میں پاکستان کے موجودہ مدارس کی خدمات کے مفصل مطالعہ پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے چار صوبوں (بلوچستان، پنجاب، سرحد، سندھ) کے مدارس کے بارے میں ضروری تفصیلات اکٹھا کر کے مقالہ نگار نے ان مدارس کو ان کے نصاب میں علم قرأت کی حیثیت یا ان میں قرأت کے معیار تعلیم کے اعتبار سے ۶ حصوں میں منقسم کیا ہے :

۱۔ مختص بالقرأت جہاں سبعہ و عشرہ تک تعلیم دی جاتی ہے۔

۲۔ مختص بالقرأت جہاں سبعہ کی تدریس و تمرین کا اہتمام ہے۔

۳۔ مختص بالقرأت جہاں روایت حفص پڑھائی جاتی ہے۔

۴۔ ایسے مدارس جہاں دیگر علوم کے ساتھ سبعہ و عشرہ کا درجہ بھی ہے۔

۵۔ ایسے مدارس جہاں دیگر علوم کے ساتھ سبعہ کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔

۶۔ ایسے مدارس جہاں دیگر علوم کے ساتھ روایت حفص پڑھائی بھی جاتی ہے۔

مقالہ نگار کی تحقیقات کے مطابق ۱۹۹۵ء تک پاکستان میں مدارس کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی لیکن ان میں سے صرف ۳۴ ہی ایسے مدارس ہیں جو ان کی قائم کردہ اقسام میں سے کسی نہ کسی ایک پر منطبق ہوتے ہیں۔

یہاں اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مکمل سبعہ و عشرہ قراء ات کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے مقالہ نگار نے یہ تحریر کیا ہے : " راقم نے ایسے مدارس کی تلاش میں پورے ملک کے شہروں و قصبوں کا سفر کیا اور مدارس کے حالات و کوائف جمع کیے۔ ان معلومات کی بنیاد پر یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پورے پاکستان میں اس قسم کا ایک بھی مدرسہ نہیں ہے جسے مختص بالقراء ات کہا جا سکے۔ جہاں سبعہ و عشرہ قراء ات تاحد کمال پڑھائی جاتی ہو" (۵/۵۹۷)۔ مقالہ نگار کا یہ بیان صوبہ پنجاب کے مدارس سے متعلق ان کی پیش کردہ تفصیلات سے میل نہیں کھاتا جس کے مطابق اس صوبہ میں کم از کم چار مدارس ایسے ہیں جو مختص بالقرأت سبعہ و عشرہ کے زمرہ میں آتے ہیں (۵/۶۰۹۔۶۱۸،۶۶۱،۶۸۲) ۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ ان مدارس کے بارے میں مقالہ نگار کی فراہم کردہ معلومات ان کے ذاتی سفر، اہل مدارس سے ملاقات ، مدارس کے ریکارڈ کے معائنہ اور ان سے متعلق سرکاری و غیر سرکاری ریفرنس کتب کے مطالعہ پر مبنی ہیں جن سے مواد کے اکٹھا کرنے میں مقالہ نگار کی جانفشانی و دیدہ ریزی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

آخری باب (تحریص و ترغیبات) میں علم قرأت کے فروغ کے ان غیر روایتی ذرائع پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے جو موجودہ پاکستان میں اختیار کیے جا رہے ہیں۔

ان میں قراء کی تنظیموں کی سرگرمیاں، محافل قرأت کا اہتمام، مقالہ حسن قرأت کا انعقاد، جدید ذرائع سے دنیا کے ممتاز ترین قراء کی قرأت کی ریکارڈنگ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ ان کی نشرو اشاعت شامل ہے۔ اس باب میں قرأت سے متعلق جن تنظیموں اور مجالس کا خاص طور سے تعارف کرایا گیا ہے وہ ہیں : مجلس حسن قرأت ملتان، تنظیم القراء پاکستان، لاہور مجلس خدام القرآن، فیصل آباد، اتحاد القراء لاہور، انٹرنیشنل قرآن رسائٹرس ایسوسی ایشن (اقرا) ، بزم ندائے مسلم پاکستان، لاہور، انجمن صوت القراء پاکستان، لاہور جمعیۃ القراء پاکستان، لاہور، جمعیۃ القراء پاکستان، ملتان، تعلیم القرآن ٹرسٹ، لاہور، تعلیم القرآن خط و کتابت اسکول لاہور۔ ان میں موخر الذکر تنظیم (جسے مراسلاتی کورس کا ادارہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا) اس لحاظ سے خصوصی ذکر کی مستحق ہے کہ یہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بائبل سوسائٹی کی جانب سے جاری کردہ مراسلاتی کورس کے رد عمل میں قائم کیا گیا۔ اس کا خاص مقصد خط و کتابت اور دوسرے ذرائع سے مختلف علاقے کے لوگوں میں تعلیم قرآن کی سہولتیں بہم پہنچانا اور انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا تھا۔ لیکن بعد میں اس تنظیم نے اپنی بیشتر توجہات جیل کے قیدیوں کی تعلیم کے لیے مرکوز کر لیں۔ خط و کتابت کے ذریعہ قرآن کی تعلیم دینے کے علاوہ اس اسکول کے زیر اہتمام مختلف جیلوں میں ان کے لیے قاری و معلم مقرر کیے گئے جو انہیں ناظرہ، حفظ و قرأت کی تعلیم دیتے تھے مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق بیس سال کے عرصہ (۱۹۷۴ء۔۱۹۹۳ء) میں تقریباً پچاس ہزار قیدی تعلیم قرآن کے اس نظم سے مستفید ہوئے (۲۰۸/۲۰۷۔۲۱۰)۔

"ترغیبات" کے ضمن میں مقالہ نگار نے کچھ ایسے سرکاری اقدامات سے بحث کی ہے جو پاکستان میں علم قرأت کی ترویج میں معاون ثابت ہوئے۔ ان میں خاص طور سے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کی فیکلٹی آف اصول الدین میں بی اے کی سطح پر قرأت کو داخل نصاب کرنا اور اس کے شعبہ تفسیر و حدیث میں اسے لازمی مضمون کی حیثیت دینا اور مختلف اسکولوں میں طلبہ کو اس فن کی تعلیم و تربیت کے لیے قراء مقرر کرنا قابل ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں صاحب مقالہ نے سابق صدر پاکستان جناب محمد ضیاء الحق

مرحوم کے قرآن کریم سے گہرے تعلق اور علم قرأت میں ان کی دلچسپی کا خصوصی ذکر کیا ہے ان کے دور صدارت سے ہر سرکاری اجلاس کی کارروائی کی ابتداء قرآن کریم کی تلاوت سے ہونے لگی۔ انہوں نے ریڈیو، ٹی وی پر قوم س خطاب کا آغاز تلاوت قرآن سے کرنے کی روایت قائم کی اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں بھی اپنے خطاب سے قبل قرأت قرآن کا اہتمام کیا۔ انہی کے دور میں قرأت کی اعلی تعلیم کے لیے بعض قراء حکومت کے خرچ پر جامعہ ازہر مصر بھیجے گئے۔ مزید براں سرکاری سطح پر مقابلہ تجوید و قرأت کا انعقاد اور تعلیمی اداروں میں داخلہ وغیرہ کے وقت حفاظ کو ۲۰ اضافی نمبروں کی رعایت بھی انہی کے زمانہ کی یادگار ہے (۶/ ۷۵۵۔۷۵۹)۔

پیش نظر آخری باب کا ایک حصہ پاکستان سے شائع ہونے والے ان دینی جرائد و مجلّات کے تعاف سے تعلق رکھتا ہے جن میں تجوید و قرأت کے موضوع پر مضامین شائع ہوئے ہیں۔ یہ حصہ بھی بہت معلوماتی ہے لیکن اس میں بعض ایسے رسائل کا تعارف غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن میں زیر بحث موضوع پر ایک بھی مضمون شائع نہیں ہوا ہے۔(۶/ ۶۲۶۔۶۲۷، ۷۳۱۔۷۳۲، ۷۳۳۔۷۳۹، ۷۴۰)۔ مزید براں اس حصہ کو چوتھے باب (جس میں تجوید و قرأت پر مطبوعہ کام کا احاطہ کیا گیا ہے) کے ساتھ ملحق کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

تجوید و قرأت سے مقالہ نگار کا والہانہ لگاؤ اور اس کی اشاعت و ترویج میں ان کی گہری دلچسپی ان معروضات و تجاویز سے بخوبی عیاں ہوتی ہے جو مقالہ کے آخر میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ اہل مدارس ارباب حکومت، ماہرین قرأت اور ان تمام لوگوں کے لیے لائق توجہ و قابل غور ہیں جو پاکستان میں علم تجوید و قرأت کے مزید فروغ کے خواہاں ہیں اور اس علم کو اس بلند مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں جس کا وہ صحیح معنوں میں قرآن کی نسبت سے مستحق ہے۔

حسب روایت مسلمہ زیر مطالعہ مقالہ کے آخر میں مراجع و مصادر کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جس میں کتابوں کے علاوہ متعلقہ رسائل و جرائد، مدارس، علمی مراکز

و تنظیموں کے تعارف نامے و ریکارڈ، مجالس قرأت و مقابلہ جاتی پروگراموں کی روداویں، قلمی دستاویزات اور سرکاری ریکارڈ بھی شامل ہیں۔ کتابوں کے ضمن میں عربی، فارسی، و اردو کتب کی علیحدہ علیحدہ فہرست دینا زیادہ مفید ہوتا۔ رسائل کے تحت صرف ایک ہندوستانی رسالہ (معارف اعظم گڑھ) کا اندراج ملتا ہے۔ جب کہ ہندوستان سے شائع ہونے والے ایسے رسائل کی کمی نہیں جن میں علم تجوید و قرأت پر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اس کا کچھ اندازہ علوم القرآن میں چھ قسطوں میں شائع شدہ (جلد۱/۲ تا ۴/۲) "اشاریہ قرآنی مضامین" (مرتبہ ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی) سے لگایا جا سکتا ہے پاکستانی رسائل میں سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد اور ہندوستانی مجلات میں ششماہی علوم القرآن کا مراجع و مصادر میں عدم ذکر تعجب خیز ہے یہاں علوم القرآن کی نسبت سے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جولائی ۱۹۸۵ء سے اس کی اشاعت بدستور جاری ہے اس کے متعدد شماروں میں مضامین، تعارف و تبصرہ ، اشاریہ و خبرنامہ کی صورت میں علم تجوید و قرأت پر کافی مواد دستیاب ہے۔ بہرحال اس کمی کے باوجود مراجع و مصادر کی فہرست پر نظر ڈالنے اور مشتملات کے مطالعہ سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس پی ایچ ڈی مقالہ کے مآخذ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور صاحب مقالہ نے مختلف ذرائع سے اس کے لیے مواد اکٹھا کرنے میں بڑی محنت و مشقت اٹھائی ہے اور اس میدان میں ان کی طلب و جستجو صرف کتب تک محدود نہیں رہی ہے بلکہ اسفار، ملاقات و مراسلات کے نیک سلاسل بھی انہوں نے قائم کیے۔ واقعہ یہ کہ جس طرح پاکستان میں علم تجوید و قرأت کے فروغ کے جائزے کے لیے فاضل مقالہ نگار نے اس کی اشاعت کے قدیم و جدید تمام ذرائع کا استقصار کیا اسی طرح اس کے لیے مواد جمع کرنے میں روایتی و غیر روایتی تمام مآخذ کو استعمال کر کے تحقیق و ریسرچ کا حق ادا کیا جو بجا طور پر لائق تحسین و قابل تقلید ہے۔

آخر میں اس جانب بھی اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زبان و بیان، مواد اور حوالہ کے اعتبار سے پیش نظر مقالہ کو مزید بہتر و معیاری بنانے کی بہت کچھ گنجائش موجود ہے۔ چوتھے باب میں غیر منقسم ہندوستان میں علم قرأت سے متعلق کافی مواد ہے۔ اگر اس

سے قبل عہد وسطی کے ہندوستان میں علم قرأت پر ایک باب کا اضافہ کر دیا جائے تو مقالہ کا دائرہ اور وسیع ہو جائے گا۔ اور اس کے عنوان کو بآسانی اس طور پر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ "بر صغیر پاک و ہند میں علم تجوید و قرأت" ۔ امید ہے کہ مقالہ کی اشاعت کے وقت اس پر بھرپور نظرثانی کی جائے گی تاکہ یہ اور اچھے انداز میں قارئین کے سامنے آسکے اور علم قرأت کی اشاعت میں اس کی افادیت مزید بڑھ جائے۔

اللہ تعالی ہمیں علم قرآن کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں " افضلکم من تعلم القرآن و علمه "کا مصداق بنا دے (آمین ثم آمین)

وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة